اِفتا و اِجتہاد

اِجتہاد کی حیثیت اور اِفتا میں احتیاط

حافظ ابن قیمؒ

مفتی کا کام انتہائی نازک کام ہے۔ ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:
"جس شخص نے میری طرف ایسے قول کی نسبت کی جو میری زبان سے نہ نکلا ہو، وہ جہنم میں اپنا گھر بنا لے، اور جس شخص نے علم کے بغیر فتویٰ دیا، اس فتوے کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا، اور جس کسی نے اپنے بھائی کو ایسا مشورہ دیا، جس کے بارے میں اسے علم ہو کہ درست مشورہ کچھ اور ہے، تو اس نے اس کے ساتھ خیانت کی"۔

جو نازک صورتِ حال مفتی کے لیے ہے وہی قاضی کے لیے بھی ہے۔ تاہم مفتی کی حیثیت اس لحاظ سے زیادہ نازک ہے کہ وہ اپنا فتویٰ ایک عام حکم کی صورت میں دیتا ہے کہ جو شخص فلاں کام کرے گا اس پر یہ نتیجہ مرتب ہوگا۔ اس کے فتویٰ کا اطلاق، پوچھنے والوں اور نہ پوچھنے والوں، سب پر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قاضی معین شخص کے سلسلے میں معین فیصلہ سناتا ہے۔ مگر قاضی کی حیثیت اس لحاظ سے نازک ہے کہ اس کا سنایا ہوا فیصلہ محدود ہونے کے ساتھ ساتھ نافذ ہو جاتا ہے۔

علم کے بغیر اللہ کے نام پر فتویٰ دینے کی تحریم

اللہ تعالیٰ نے یہ حرام قرار دیا ہے کہ فتویٰ دیتے وقت، اور فیصلہ کرتے وقت، علم کے بغیر اس کے نام پر کوئی بات کہی جائے۔ اس حرکت کو اس نے نہ صرف عظیم محرمات میں شمار کیا ہے، بلکہ اسے محرمات کے سب سے اونچے درجہ میں رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں محرمات کے چار درجے بنائے ہیں: ابتدا میں سب سے کم تر یعنی بے شرمی کے کام کا ذکر کیا ہے۔ پھر اس سے شدید تر، یعنی گناہ اور ناحق زیادتی کا۔ تیسرے درجے

میں، اس چیز کا جس کی تحریم ان دونوں سے بڑھ کر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔ اور پھر آخر میں اس چیز کا ذکر کیا ہے جس کی تحریم سب سے بڑھ کر ہے : وہ ہے اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہنا جس کے متعلق علم نہ ہو۔

اللہ کے نام پر بات کہنے میں ایسی تمام باتیں داخل ہیں جو علم کے بغیر اللہ کے اسما، اس کی صفات اور اس کے افعال کے بارہ میں، یا اس کے دین اور اس کے احکام کے بارے میں کہی جائیں۔ ارشاد باری ہے : وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ، اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ، اور یہ جو تمھاری زبانیں جھوٹے حکم لگایا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام، تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھا کرو۔ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پایا کرتے (النحل ۱۶: ۱۱۶)یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے سلسلے میں اس پر جھوٹ باندھنے پر وعید سنائی ہے۔ یعنی جس چیز کو اس نے حرام قرار نہیں دیا اسے حرام کہنا، اور جس چیز کو اس نے حلال نہیں کیا اسے حلال ٹھہرانا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان کیا ہے کہ بندے کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ وہ بغیر سند یا اپنی رائے سے کسی چیز کے متعلق یہ حکم لگائے کہ یہ حلال ہے یا یہ حرام ہے۔ یہ بات کہنے کی صرف اس وقت اجازت ہے جب اسے یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو حلال قرار دیا ہے یا حرام ٹھہرایا ہے۔

اپنی رائے کی حیثیت اور حرام و حلال قرار دینے میں احتیاط

سلف میں سے ایک صاحب کا قول ہے کہ "اس بات سے بچنا چاہیے کہ تم میں سے کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز حلال کر دی ہے اور فلاں چیز حرام کر دی ہے۔ پھر اللہ اس کے جواب میں فرمائے کہ تم نے جھوٹ کہا، میں نے فلاں چیز حلال نہیں کی اور فلاں چیز حرام نہیں کی"۔ اس بنا پر جس چیز کی تحلیل و تحریم کے سلسلے میں وحی کے نزول کا علم نہ ہو، اس کے متعلق تقلید یا تاویل کے سہارے یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال ٹھہرایا ہے یا حرام قرار دیا ہے۔

اپنے اجتہاد اور رائے کے بارہ میں یہ کہنا بھی مناسب نہیں کہ "یہ اللہ کا حکم ہے"۔ حدیث صحیح میں حضورؐ نے اپنے امیرِ لشکر، بریدہؓ کو اس بات سے منع فرمایا تھا کہ وہ دشمن کا محاصرہ کرنے کے بعد اسے اللہ کے حکم کے آگے ہتھیار ڈالنے کے لیے کہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "بریدہؓ، ایسی صورت میں تمھیں یہ علم تو ہو گا نہیں کہ دشمن کے بارے میں تم نے اللہ کا حکم پا لیا ہے یا نہیں۔ اس لیے تم دشمن کو اپنے اور اپنے رفقا کے فیصلے کے آگے ہتھیار ڈالنے کے لیے کہو"۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ حضورؐ نے اللہ کے حکم اور

اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینے والے امیرِ لشکر کے حکم کے درمیان کس طرح فرق رکھا ہے اور، اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینے والوں یعنی مجتہدین کے حکم کو اللہ کا حکم کہنے سے منع فرمادیا ہے۔

اس کی ایک اور مثال بھی ہے۔ ایک دفعہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے سیکرٹری نے آپ کا ایک حکم نامہ تحریر کرتے ہوئے یہ لکھا کہ "یہ وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے امیرالمومنین عمر کو سمجھایا ہے"۔ آپ نے کاتب سے فرمایا "تم نے بُری بات کہی۔ یہ نہ لکھو، بلکہ یہ لکھو کہ یہ وہ حکم ہے جو عمر کی سمجھ میں آیا ہے۔ اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر ٹھیک نہ ہو تو عمر کی طرف سے ہے"۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ صرف رسول اللہ ؐ کی رائے لازماً صحیح ہوتی تھی، اس لیے کہ آپ ؐ کو خود اللہ سمجھاتا تھا۔ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللهُ۔ ہماری رائے تو صرف ظن اور تکلف ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں: ایک چیز کے بارے میں یہ کہنا کہ "یہ حلال ہے" "یا" یہ حرام ہے" نہ تو عام لوگوں کا وطیرہ تھا، نہ ہی ہمارے سلف کا، اور نہ ہی میں نے کسی ایسے شخص کو جس کی میں پیروی کرتا ہوں یہ فقرے کہتے ہوئے سنا ہے۔ انھیں یہ فقرہ کہنے کی جرات ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس کے برعکس لوگ صرف یہ کہتے کہ "ہم اس بات کو مکروہ سمجھتے ہیں" یا "ہمیں یہ بات اچھی لگتی ہے" یا "ایسا ہونا چاہیے" یا "ہماری رائے یہ نہیں ہے"۔

امام مالکؒ سے ایک اور روایت میں یہ اضافہ ہے : لوگ کسی چیز کے بارے میں نہ تو حلال کا لفظ استعمال کرتے، نہ حرام کا۔ کیا تم نے یہ قول باری تعالیٰ نہیں سنا: قُلْ أَرَءَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللهِ تَفْتَرُونَ، ان سے کہیے کیا تم لوگوں نے کبھی سوچا کہ جو رزق اللہ نے تمھارے لیے اتارا ہے، اس میں سے تم نے خود ہی کسی کو حرام اور کسی کو حلال کیسے ٹھہرالیا۔ ان سے پوچھیے، اللہ نے تم کو اس کی اجازت دی تھی یا، تم اللہ پر افترا کر رہے ہو۔(یونس ۱۰:۵۹)

اسی لیے ائمہ کرام لفظ حرام کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے، اور اس کے بجائے مکروہ کا لفظ استعمال کرنا پسند کرتے تھے۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔ امام احمد نے ملک یمین کے تحت دو بہنوں کو یکجا کرنے کے مسئلے میں فرمایا تھا، کہ میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں، اسے حرام نہیں کہتا۔ حالانکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے۔ انھوں نے تحریم کے لفظ کے اطلاق سے پرہیز کیا۔ یا انھوں نے کہا کہ سونے چاندی کے برتن میں وضو کرنا مکروہ ہے، حالانکہ ان کے نزدیک یہ ناجائز نہیں ہے۔ یا انھوں نے کہا کہ جب انسان کا اکثر مال حرام کا ہو، تو مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا کہ اس کا مال کھایا جائے، حالانکہ ان کی رائے میں ایسے مال کا نہ کھانا تحریم کی بنا پر ہے۔ یا انھوں نے فرمایا کہ "مجھے ان جانوروں کا گوشت کھانا اچھا نہیں لگتا جنھیں زہرہ یا دوسرے ستاروں کے لیے ذبح کیا گیا ہو۔ اسی طرح ہر اس جانور کا گوشت کھانا مجھے ناپسند

ہے جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو"۔ آپ غور کر سکتے ہیں کہ کس طرح امام احمد نے ان چیزوں کے متعلق "لا یعجبنی" (مجھے پسند نہیں ہے) کہا ہے جن کی تحریم اللہ تعالیٰ نے واضح طریقے سے بیان کر دی ہے۔ ان سے سُور کے بالوں کے متعلق پوچھا گیا، جواب میں فرمایا کہ "مجھے اچھے نہیں لگتے"۔ ان کا یہ قول بھی تحریم پر محمول ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اگر شراب کو سرکہ بنا لیا جائے تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ انھوں نے جواب میں فرمایا: "یہ مجھے اچھا نہیں لگتا"۔ حالانکہ ان کے نزدیک یہ تحریم پر محمول ہے۔

دوسرے ائمہ سے بھی اسی طرح کے جوابات منقول ہیں۔ امام محمد نے فرمایا ہے کہ مکروہ حرام ہوتا ہے، لیکن جب ہمیں اس بارے میں کوئی نص قاطع نہیں ملتا تو اس پر حرام کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے۔ امام محمد نے کہا کہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے سونے چاندی کے برتنوں میں پینا مکروہ ہے، جبکہ ان کی اس سے مراد تحریم ہے۔ اسی طرح یہ فرمایا کہ ریشمی بستر پر سونا اور ریشمی تکیوں سے ٹیک لگانا مکروہ ہے، جبکہ اس سے مراد تحریم ہے۔ ان حضرات نے کہا کہ بچوں کو سونا اور ریشم پہنانا مکروہ ہے، جبکہ علما احناف نے تصریح کی ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے۔ ان کا قول ہے کہ انسانی خوراک اور مویشیوں کے چارے کی ذخیرہ اندوزی ایسے زمانے میں مکروہ ہے جب اس کی قلت ہو، اور لوگ، نیز مویشی، اس کی کمیابی کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہوں، حالانکہ کراہت سے ان کی مراد تحریم ہے۔ ان حضرات کا قول ہے کہ فتنہ، یعنی مسلمانوں کی باہمی جنگ و جدل، کے دنوں میں اسلحہ کی فروخت مکروہ ہے۔ اس سے ان کی مراد تحریم ہے۔ اما ابو حنیفہ کا قول ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمین کی فروخت مکروہ ہے، حالانکہ احناف کے نزدیک اس سے مراد تحریم ہے۔ ان کا قول ہے کہ اگر آقا اپنے غلام کو یا کسی اور کو لوہے کا طوق پہنا دے جس کی وجہ سے اس کے لیے ہلنا جلنا مشکل ہو جائے تو اس کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہو گا، حالانکہ یہ کام حرام ہے۔

امام مالکؒ کے اصحاب کے نزدیک مکروہ کا درجہ حرام اور مباح کے مابین ہوتا ہے۔ اس پر وہ جواز کا اطلاق نہیں کرتے۔ انھوں نے اپنے اکثر جوابات میں فرمایا ہے کہ "میں یہ بات مکروہ سمجھتا ہوں" حالانکہ ان کے نزدیک یہ حرام ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ کی روش بھی یہی تھی۔ ان کا قول ہے کہ "شطرنج ایک فضول چیز ہے جو باطل کے مشابہ ہے۔ میں اسے ناپسند کرتا ہوں، لیکن میرے لیے اس کی تحریم واضح نہیں ہے"۔ اس طرح امام شافعی نے اس کی کراہت نصاً بیان کر دی ہے، لیکن اس کی تحریم میں توقف کیا ہے۔

مفتی جب اجتہاد سے کام لے تو کیا کہے؟

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو حرام قرار دیا ہے کہ اس کے اسما، اس کی صفات، اس کے افعال اور اس کے احکام کے بارہ میں یقین کیے بغیر اس کے نام سے کوئی بات کہی جائے۔ مفتی کا دیا

ہوا فتویٰ اللہ کے حکم کے مطابق نہیں ہو گا تو وہ علم کے بغیر اللہ کے نام پر بات کہنے کا مجرم گردانا جائے گا۔ لیکن اگر وہ حق معلوم کرنے کے لیے اجتہاد اور سمجھ بوجھ سے کام لے گا اور اس مقصد کے لیے اپنی پوری صلاحیت صرف کر دے گا، لیکن اس کے باوجود بھی اس سے غلطی ہو جائے، تو اس صورت میں وہ وعید کا سزاوار قرار نہیں پائے گا۔ اس کی یہ خطا نہ صرف قابل معافی ہو گی بلکہ معرفت حق کی خاطر اپنی حد تک اس نے جو تگ و دو کی ہے اس پر اسے ثواب بھی ملے گا۔ تاہم اپنے اجتہاد کی بنا پر اگر وہ کسی نتیجے پر پہنچے، جب کہ اس بارے میں اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے کوئی نص اور واضح ہدایت ہاتھ نہ آتی ہو، تو اس کے لیے یہ کہنا جائز نہیں ہو گا کہ "اللہ تعالیٰ نے یہ چیز حرام کر دی ہے" یا "یہ بات واجب کر دی ہے" یا "فلاں چیز مباح کر دی ہے" یا "یہ اللہ کا حکم ہے"۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں: "امام مالک سے پیش آمدہ بعض نئے مسائل کے بارے میں جب سوال کیا جاتا، تو وہ اپنے اجتہاد سے کام لے کر رائے دیتے ہوئے فرماتے "ہم تو صرف اپنے گمان سے کام لیتے ہیں اور ہمیں اس بارے میں پورا یقین نہیں ہے"۔

فتویٰ دینے میں توقف

امام احمد بن حنبلؒ بعض دفعہ فتویٰ دینے میں توقف کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی کہ یا تو ان کی نظروں میں اس مسئلہ کے بارے میں دلائل متعارض ہوتے، یا صحابہؓ کے مابین اختلاف رائے ہوتا، یا انھیں کسی اثر یا صحابہ اور سلف کے قول کی اطلاع نہ ہوتی۔ وہ اکثر یہ کہہ دیتے کہ "جاؤ جا کر کسی اور سے پوچھ لو"۔ جب کہا جاتا کہ کس سے پوچھیں، تو کہتے علما سے جا کر پوچھ لو۔ وہ کسی متعین شخص کا نام نہ لیتے۔

وہ کسی ایسے مسئلے میں فتویٰ دینے کو انتہائی ناپسند فرماتے، بلکہ منع کرتے، جس کے بارے میں سلف سے کوئی اثر منقول نہ ہوتا۔ انھوں نے اپنے بعض رفقا سے فرمایا تھا کہ "جس مسئلے میں تمھارے لیے کوئی امام نہ ہو اس کے متعلق لب کشائی سے بچو"۔

ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں نے جتنی بار امام احمد کو ایسے مسائل میں لاادری (میں نہیں جانتا) کہتے ہوئے سنا جن کے بارے میں علمی طور پر اختلاف ہوتا، اسے میں شمار نہیں کر سکتا۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ فتویٰ دینے کے سلسلے میں، میں نے سفیان بن عیینہ سے بہتر کسی کو نہیں پایا: وہ بڑی آسانی سے "لاادری" کہہ دیا کرتے تھے۔

امام احمدؒ کے فرزند عبداللہ کہتے ہیں، میرے والد محترم نے فرمایا کہ شمالی افریقہ کے ایک شخص نے امام مالکؒ سے کسی مسئلے کے متعلق سوال کیا۔ انھوں نے جواب میں "لاادری" کہہ دیا۔ اس شخص نے

تعجب سے کہا "ابو عبداللہ، آپ لا ادری کہتے ہیں؟" امام مالک نے جواب دیا : ہاں، میں لا ادری کہتا ہوں۔ جن لوگوں کے پاس تم واپس جاؤ گے، ان سے بھی کہہ دینا کہ میں نہیں جانتا۔

سلف کا فتویٰ دینے سے پرہیز کرنا۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام حتی الوسع فتویٰ دینے سے اجتناب کرتے تھے، اور افتا میں جلد بازی کو ناپسند کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ ان کی جگہ کوئی اور یہ خدمت سرانجام دے دے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں کہ مجھے ایک سو بیس صحابہ کرامؓ کو دیکھنے کا موقعہ ملا ہے، ان میں سے کوئی صاحب خود حدیث سنانا پسند نہ کرتے، بلکہ ان کی یہ خواہش ہوتی کہ کوئی دوسرے صحابی یہ خدمت سرانجام دے دیں۔ اسی طرح ان میں سے کوئی صاحب فتویٰ نہ دیتے، بلکہ ان کی دلی تمنا ہوتی کہ یہ کام ان کا کوئی اور بھائی کر لے۔

امام مالکؒ نقل کرتے ہیں کہ ایک دن عبداللہ بن زبیرؓ اور عاصم بن عمرؓ کے پاس محمد بن ایاسؒ آئے، اور کہنے لگے کہ ایک بدوی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، اس بارے میں آپ حضرات کیا فرماتے ہیں؟ عبداللہ بن زبیرؓ کہنے لگے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں ہم کچھ کہہ نہیں سکتے، تم عبداللہ بن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ کے پاس جاؤ، میں ابھی ان دونوں کو ام المؤمنین عائشہؓ کے پاس بیٹھا چھوڑ کر آیا ہوں۔ ان سے یہ مسئلہ پوچھ کر پھر ہمیں بھی بتانا۔ معاملہ دونوں حضرات کے پاس گیا، تو بات سن کر، ابن عباسؓ نے ابو ہریرہؓ سے فرمایا، تم فتویٰ دو کیونکہ یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔

امام مالکؒ نے نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا : "ایسا شخص یقیناً دیوانہ ہے جو لوگوں کی طرف سے پوچھے جانے والے تمام مسائل کے بارے میں فتویٰ دیتا رہے۔" انھوں نے مزید فرمایا کہ مجھے عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی اسی قسم کا قول پہنچا ہے۔

سحنون بن عبداللہ کا قول ہے کہ فتویٰ دینے میں سب سے زیادہ جری وہ شخص ہوتا ہے جو سب سے زیادہ کم علم ہوتا ہے۔ ایک شخص کو کسی ایک باب میں یا ایک طرح کے مسائل کا علم ہوتا ہے، اور وہ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ سارا حق اسی میں ہے۔ انھوں نے مزید کہا : مجھے کچھ مسائل ایسے یاد ہیں جن کے بارے میں آٹھ ائمہ کے آٹھ اقوال ہیں۔ اس بنا پر میرے لیے یہ بات کیسے مناسب ہو سکتی ہے کہ میں چھان بین کر لینے سے پہلے ایک مسئلے کے متعلق فوری طور پر جواب دے دوں۔

(تلخیص و ترتیبِ نو : خ-م)